رسالت

(بسلسلۂ مضامین قرآن)

تالیف

مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ

ناشر: ایچ، ایم، حسین ٹرسٹ
H.M.Husain Trust
Email: hmhamuwash@yahoo.com
Cell: +91 7095168679

جملہ حقوق محفوظ

طبع اول: ذوالحجۃ ۱۴۳۸ھ مطابق اگست ۲۰۱۷ء

نام کتاب: رسالت

مصنف: مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ

تعداد اشاعت: 2000

صفحات: 32

قیمت: ہدیہ: ایچ، ایم، حسین ٹرسٹ

کمپیوٹر کتابت: مولانا سید عبدالحمید قاسمی (استاذ جامعہ اسلامیہ دارالعلوم رحمانیہ، حیدرآباد)
Cell: +91 9849022015

باہتمام: انجینئر محمد عثمان حیدرآبادی

انتساب

دادا ماما رحمۃ اللہ علیہ اور مامی جان رحمۃ اللہ علیہا

(انجینئر محمد عثمان حیدرآبادی)

ملنے کا پتہ: (۱) مجلس تحقیقات ونشریات اسلام، لکھنؤ 0522-2741539

(۲) دارِ عرفات، تکیہ کلاں، رائے بریلی، یوپی 09807240512

ناشر: ایچ، ایم، حسین ٹرسٹ
H.M.HusainTrust
Email: hmhamuwash@yahoo.com
Cell: +91 7095168679

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

عرضِ ناشر

نحمده ونصلى على رسوله الكريم، امابعد

قرآن مجید انسانیت کے لیے اللہ تعالیٰ کی ایک عظیم نعمت ہے، جس پر عمل کرنے سے ہماری زندگیاں اس دنیا میں اور آخرت میں سلامتی وسکون کی ہوگی، یہ خالقِ کائنات کا وعدہ ہے۔

میرے حضرت! مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ نے ساری زندگی اس کی تعلیم وتربیت میں صرف کی اور اس تعلیم وتربیت سے کئی زندگیاں اللہ پاک کی رضامندی میں گزریں؛ اسی کی ایک کڑی ندوۃ العلماء کے قدیم جریدہ "الندوہ" سے "رسالت" پیشِ خدمت ہے۔

آقائے کائنات سے التجا ہے کہ ہم سب کو اس سے استفادہ کی ہدایت اور توفیق عطا فرمائے، آمین۔

اس کتابچہ کے معاونین کے ہم شکر گزار ہیں اور پروردگارِ عالم سے دُعا گو ہیں کہ ہم سب کو بہتر سے بہتر جزا عطا فرمائے، آمین۔

طالبِ دُعا
انجینئر محمد عثمان حیدرآبادی
ناظم
ایچ، یم، حسین ٹرسٹ

عطیہ

بسم الله الرحمن الرحيم

Mohammad Rabey Hasani Nadwi
P.O. Box No. 93, Lucknow-226007 (INDIA)
Phones : (0522) 2740151, 2741316 Fax : 2741231
E-mail : rabeynadwi@yahoo.com

محمد الرابع الحسني الندوي
ندوة العلماء ص. ب. ۹۳. لكهنؤ (الهند)

التاریخ ________ الرقم ________

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ رب العالمین والصلاۃ والسلام علی خاتم النبیین محمد وعلی آلہ وصحبہ اجمعین

قرآن مجید اللہ تعالیٰ کا کلام ہونے اور تمام انسانوں کے لئے ہدایت وفلاح کا پیغام ہونے کی بنا پر ایک عظیم نعمت اور انسانوں کے لئے رحمت ہونے کا ذریعہ ہے، اس میں انسانوں کی مختلف انواع و اصناف کو ان کی سمجھ اور ضرورت کے لحاظ سے خیر و صلاح کے حصول کے لئے رہنمائی کی گئی ہے، چنانچہ عربوں کے سامنے جب اس کی آیات آئیں تو ان کے دلوں میں اثر کرتیں اور صحابہ کرام کی ایک بڑی تعداد میں اس کے سننے اور سمجھنے سے تبدیلی آئی اور اس میں توحید الٰہی سے اس طرح باطل کو اپنے دلوں کی گہرائی سے ماننے چلے گئے

قرآن مجید اپنی اس تاثیر اسی لئے اور حقانیت کی اساس میں رکھتی، اس کو اس کی اہمیت کو سمجھتے ہوئے غور و تدبر سے جب بھی پڑھا جائیگا اس کی تاثیر کا اثر ہوتا، اس کے ذی علم لوگوں نے اس کی تاثیر اور خصوصیت کو اپنی تصنیفات میں اور مضامین میں بیان کیا ہے ان میں کی تحریروں میں قرآن مجید کا بہت اچھا علم و تجزیہ آتا ہے اور قرآن مجید کے معجزاتی عمل سے واقف حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ اس کا درس بھی دیا ہے اور اس کی خصوصیات پر مضامین بھی لکھے ہیں جو بہت مفید اور رہنمائی کرنے والے ہیں۔ ان ہی مضامین میں زیر نظر مضمون بھی ہے جو مولانا مرحوم کا ایک مختصر کتب عزیزم محمد عثمان صاحب حسنی ندوی نے ایک رسالہ سے اخذ کر کے اشاعت کا فیصلہ کیا ہے اللہ تعالیٰ اس کو اس مضمون کا فیض عام و مفید بنائے اور قارئین کرام فائدہ اٹھائیں

۱۱ر شعبان ۱۴۳۲ھ

ناچیز
محمد رابع حسنی ندوی

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

عطیہ

الحمد لله رب العالمين والصلاة والسلام على خاتم النبين محمد وعلىٰ آله وصحبه اجمعين۔

قرآن مجید اللہ تعالیٰ کا کلام ہونے اور تمام انسانوں کے لیے ہدایت وفلاح کا پیغام ہونے کی بناء پر ایک عظیم نعمت اور انسانوں کے لیے رحمت ہونے کا ذریعہ ہے، اس میں انسانوں کے مختلف انواع واصناف کو ان کی سمجھ اور ضرورت کے لحاظ سے خیر وصلاح کے حصول کے لیے مؤثر رہنمائی کی گئی ہے؛ چنانچہ عربوں کے سامنے جب اس کی آیات آئیں تو ان کے دلوں میں اُتر گئیں اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک بڑی تعداد میں اس کے سننے اور سمجھنے سے تبدیلی آئی اور وہ اس میں توجہ دلائی ہوئی باتوں کو اپنے دلوں کی گہرائی سے مانتے چلے گئے۔

قرآن مجید اس کی یہ تاثیر اب بھی ہے اور قیامت تک اس میں رہے گی، اس کو اس کی اہمیت کو سمجھتے ہوئے غور وتدبر سے جب بھی پڑھا جائے گا اس کی تاثیر کا اثر ہوگا اس کے ذی علم علماء نے اس کی تاثیر اور خصوصیت کو اپنی تصنیفات میں اور مضامین میں بیان کیا ہے ان ہی تحریروں میں قرآن مجید کا بحیثیت اچھا علم رکھنے والے اور قرآن مجید کے معجزاتی عمل سے واقف حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کا درس بھی دیا ہے اور اس کی خصوصیات پر مضامین بھی لکھے ہیں جو بہت مفید اور رہنمائی کرنے والے ہیں۔

ان ہی مضامین میں زیر نظر مضمون (رسالت) بھی ہے جو مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے ایک محترم محب انجینئر محمد عثمان صاحب حیدرآبادی نے ایک رسالہ سے اخذ کر کے اشاعت کا فیصلہ کیا ہے، اس طرح اس مضمون کا فیض تازہ ہوجائے گا اور قارئین مکرم فائدہ اٹھائیں گے۔

عاجز

محمد رابع حسنی ندوی

۱۱/شعبان ۱۴۳۷ھ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

مقدمہ

الحمد للّٰہ رب العالمین، والصلاۃ والسلام علی سید المرسلین وخاتم النبیین سیدنا محمد، وعلی آلہ وصحبہ أجمعین، ومن تبعھم بإحسان ودعا بدعوتھم إلی یوم الدین، أمابعد!

قرآن کریم صحفِ سماویہ میں اپنی خصوصیات کے اعتبار سے منفرد کتابِ الٰہی ہے، اس کی سب سے بڑی خصوصیت اس کا تحریف سے محفوظ رہنا ہے، وہ صوتی، لفظی اور ترتیب کے اعتبار سے محفوظ ہے، خود قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے جو اس خاص امتیاز کی طرف اشارہ کرتا ہے:

اِنَّا نَحۡنُ نَزَّلۡنَا الذِّکۡرَ وَاِنَّا لَہٗ لَحٰفِظُوۡنَ ۝۹ (سورۃ الحجر)۔

ترجمہ: ''بیشک ہم نے قرآن نازل کیا اور ہم اس کی حفاظت کرنے والے ہیں''۔

اس سے معلوم ہوا کہ یہ کتاب قیامت تک اپنی خصوصیات کے ساتھ محفوظ اور قابلِ استفادہ رہے گی۔

مفکرِ اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب ''مطالعہ قرآن کے اُصول ومبادی'' میں تحریر فرمایا ہے:

''قرآن، فرقان (فاروق اور ممیز) ہے اور یہ اس کی ایسی امتیازی صفت ہے جو اس کے نام کے قائم مقام ہوگئی ہے:

تَبٰرَکَ الَّذِیۡ نَزَّلَ الۡفُرۡقَانَ عَلٰی عَبۡدِہٖ لِیَکُوۡنَ لِلۡعٰلَمِیۡنَ نَذِیۡرَا ۝۱

(سورۃ الفرقان)۔

ترجمہ: ''بڑی عالیشان ذات والا ہے جس نے یہ فیصلے کی کتاب اپنے بندۂ خاص پر نازل فرمائی؛ تاکہ وہ تمام دنیا پر جہاں والوں کے لیے ڈرانے والا ہو'' قرآن مجید نے ہدایت وگمراہی میں، ایمان وکفر میں، اسلام اور جاہلیت میں، خدا کی رضا وعدم رضا

میں، یقین وظن میں، حلال وحرام میں، قیامت تک کے لیے جو فصل اور امتیاز پیدا کر دیا ہے اس کی نظیر سے مذہبی تعلیمات اور آسمانی صحیفوں کی تاریخ خالی ہے''۔

قرآن کریم اعجاز بیانی وعلمی کے ساتھ رشد وہدایت، علم وفکر، اخبار بالغیب، اُمم سابقہ کا تذکرہ، غلط تصورات اور معتقدات کی تصحیح، تخلیق انسان اور کائنات کے اسرار، خدا کی مخلوقات کی خصوصیات، طبیعت انسانی کے رجحانات اور صلاحیتوں، اعمال انسانی کے نتائج واثرات اور اس طرح کے انسان کی زندگی کے مختلف شعبوں کے بارے میں رہنمائی کرنے والی کتاب ہے۔

خال معظم مفکرِ اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ کا خاص موضوع قرآن مجید تھا، قرآن کی تلاوت کا اہتمام، اس کے معانی ومضامین اور اس کے بلاغتی پہلوؤں پر تدبر حضرت مولانا کا خاص مشغلہ تھا اور اس میں انہوں نے بڑے اساتذہ سے کسبِ فیض کیا تھا، اس سلسلہ میں علامہ سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ اور مولانا احمد علی لاہوری رحمۃ اللہ علیہ سے استفادہ کا خصوصیت سے ذکر اپنی کتاب ''پرانے چراغ'' اور آپ بیتی ''کاروانِ زندگی'' میں کیا ہے اور ''صبح صادق'' (لکھنؤ) کے ''قرآن نمبر'' کے لیے حضرت مولانا نے اپنے مضمون ''میرے مطالعہ قرآن کی سرگزشت'' میں اپنے مطالعہ قرآن اور درس وافادہ کی مؤثر سرگزشت بیان کی ہے، اس کے علاوہ مولانا کی کتاب ''مطالعہ قرآن کے اُصول ومبادی'' قرآن مجید کے مختلف نوعیت کے اعجاز کو بیان کرتی ہے، ایک جگہ قرآنی اعجاز کے تنوع کو بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''قرآن مجید صرف اپنے الفاظ وترکیب اور فصاحت وبلاغت ہی کے اعتبار سے معجزہ نہیں ہے؛ بلکہ وہ اپنے الفاظ اور ترکیب میں بھی معجزہ ہے، اپنے معانی ومضامین میں بھی، اپنے اعلیٰ علوم ومعارف میں بھی، معلوماتِ غیبی اور حقائقِ ابدی میں بھی، اپنی پیش کی ہوئی مذہبی واخلاقی ومعاشرتی اور مدنی تعلیمات میں بھی، اپنے اثرات وانقلابات میں بھی، اپنی پیشینگوئیوں اور اخبار میں بھی معجزہ ہے؛ مگر جب صرف الفاظ میں جو اس کے اعجاز کامل کا صرف ایک پہلو اور گوشہ ہے کوئی مقابلہ نہیں ہوسکا تو اس کے اعجاز کامل میں کیا مماثلت ہوسکتی ہے؟''۔

یہ مذکورہ بالا کتاب ان دروس کا مجموعہ ہے جو انہوں نے دارالعلوم ندوۃ العلماء میں اپنی تدریس کے دوران درجوں میں دیے تھے، جو بعد مکتبہ اسلام لکھنؤ نے شائع کیے، اس سے قبل وہ قرآن مجید سے متعلق موضوعات پر لکھتے رہے تھے اور ''الندوہ'' میں جس میں وہ شریک ادارت تھے مضامین لکھے؛ انہی مضامین میں ایک اہم مضمون ''رسالت'' بھی ہے، جو ''الندوہ'' سے پیش خدمت ہے۔

الندوہ کی فائلوں کے مطالعہ کے دوران ان کے ایک محبِ صادق جناب انجینئر محمد عثمان صاحب حیدرآبادی جو حضرت مولانا کے اکثر اسفار میں رفیق رہے اور مولانا سے محبت اور تعلق رکھتے تھے، کی نظر اس مضمون پر پڑی تو ان کے اندر اس کو کتابی شکل میں لاکر افادۂ عام کے لیے لانے کا جذبہ پیدا ہوا اور انہوں نے چاہا کہ تعارفی سطریں بھی شاملِ کتاب ہوں جس کے لیے انہوں نے مجھ سے فرمائش کی، یہ میرے لیے سعادت وشرف کی بات تھی، اس لیے ان کی فرمائش پر یہ سطریں تحریر کیں۔

اُمید ہے کہ لوگ اس رسالہ سے فائدہ اٹھائیں گے اور قدر کریں گے۔

محمد واضح رشید حسنی ندوی
(معتمد تعلیم ندوۃ العلماء لکھنؤ)
۱۴/شعبان المعظم ۱۴۳۷ھ مطابق ۲۱/مئی ۲۰۱۶ء

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

رسالت

(بسلسلۂ مضامین قرآن)

فطرتِ انسانی کے سوالات:

انسان کی فطرت کے کچھ سوالات ہیں جو رہ رہ کر اس کی گہرائیوں سے اٹھتے ہیں، ان سوالات کو نہ حیلوں بہانوں سے ٹالا جاسکتا ہے نہ ان کے جواب سے چشم پوشی کی جاسکتی ہے، اس عالم کو کون چلا رہا ہے، اس کے کیا صفات ہیں، اس کا ہم سے اور ہمارا اس سے کیا تعلق ہے؟ اس کو کیا پسند ہے اور کیا ناپسند؟ اور یہ کہ اس زندگی کا انجام اور اس عالم کا منتہا کیا ہے؟۔

یہ وہ سوالات ہیں جو بالکل طبعی اور قدرتی ہیں اور انسان کی فطرت سلیم کو پورا حق ہے کہ وہ انسان سے پوچھے کہ وہ جس دنیا میں بستا ہے اس کو کس نے بنایا اور کون اس کو چلا رہا ہے، پھر جب تک اس کو اس کے صفات نہ معلوم ہوں، اس کو اس سے کوئی قلبی لگاؤ اور ذہنی تعلق نہیں پیدا ہوسکتا، دنیا کا بھی یہی حال ہے کہ جب تک کسی شخص کی سیرت اور اخلاق وصفات سے ہمیں واقفیت نہیں ہوتی ہمیں محض اس کے نام سے تعلق پیدا نہیں ہوتا پھر اگر ہم خالق کائنات کے متعلق اس کے سوا کہ وہ موجودہ کچھ نہ جانتے ہوں، اس کی ربوبیت ورحمت، قدرت واختیار، علم واطلاع، محبت ورافت اور اس کے جلال وجمال کی دوسری صفات، اس کا ہم سے قریب ترین تعلق اور ہماری اس کی طرف شدید ترین احتیاج اور اس کے سہارے ہمارے قیام وبقا کا حال معلوم نہ ہو اس سے ہمیں وہ تعلق پیدا نہیں ہوسکتا جو ایسی ذات سے پیدا ہونا چاہیے۔

اسی طرح وہ اپنے اس سوال میں بالکل حق بجانب ہے کہ زمین کی اس مملکت میں

بسنے والوں سے صاحبِ مملکت کے کیا مطالبات ہیں، اس لیے کہ کسی کی سلطنت میں رہنے والوں کا یہ پہلا فرض ہے کہ اس کا نظام وقانون معلوم کریں۔

اسی طرح سے یہ بھی بالکل طبعی امر ہے کہ وہ اس زندگی کے متعلق جاننا چاہے کہ اس کا آخر کیا ہے اور اس کے بعد کیا ہوگا؟ اس لیے کہ اس سوال کا تعلق نہ صرف اس کے مستقبل سے ہے بلکہ اس کے حال سے بھی ہے، جس شخص کو یہ معلوم ہوجائے کہ اس زندگی کے بعد دوسری زندگی بھی ہے جس میں پہلی زندگی کا حساب کتاب ہوگا اور اس پر پہلی زندگی کے اعمال کے مطابق اس کو جزا وسزا ملے گی، اس شخص کا طرزِ عمل موجودہ زندگی میں اس شخص سے بالکل مختلف ہوگا جو موجودہ زندگی کے علاوہ کسی دوسری زندگی کا تصور نہیں رکھتا، اس لیے یہ سوال اس کی اس زندگی میں بھی بڑی اہمیت رکھتا ہے اور اس کے جواب میں تاخیر کی گنجائش نہیں؛ کیونکہ اس مسئلہ کو طے کئے بغیر اس زندگی کی صحیح تشکیل نہیں ہوسکتی۔

ہماری زندگی کے یہ بنیادی سوالات ہیں، جن پر نجات وسعادت کا دارومدار اور ہماری قسمت کا فیصلہ موقوف ہے، جن کے جواب میں ذرا سی غلطی اور لغزش ہماری ابدی ہلاکت کا سبب بن سکتی ہے، یہ زندگی ہم کو صرف ایک مرتبہ کے لیے ملی ہے اور یہ ہماری سب سے قیمتی متاع ہے وہ محض قیاس وتخمین اور آزمائش وتجربہ میں گزاری نہیں جاسکتی۔

ان سوالات کے علاوہ کچھ سوالات اور بھی ہیں، جن کا تعلق بھی ہماری روزمرہ زندگی سے ہے، ہمارے گردوپیش کائنات کی جو طویل وعریض بساط پھیلی ہوئی ہے اس میں ہمارا اصل محل ومقام کیا ہے؟ ہمارا اپنے گردوپیش کی دنیا سے اور اس کا ہم سے کیا تعلق ہے، ہماری اس ہنگامۂ ہستی میں حیثیت اور مقصد کیا ہے؟ ہم ماتحت ہیں یا خودمختار؟ ذمہ دار ہیں یا غیر ذمہ دار؟ ہیں تو کس کے سامنے؟ اور ہماری ذمہ داری کس حد تک ہے؟ ہماری قوتیں اور صلاحیتیں ہماری اپنی ہیں یا کسی دوسرے کی ملک؟ ان کا طریقِ استعمال کیا ہے؟ اس زندگی کا کمال مطلوب اور منتہا سے نظر کیا ہے؟ یہ اور ایسے متعدد سوالات ہیں جو ہمارے لیے فوری طور پر حل طلب ہیں اور زندگی کے مرکزی سوالات ہیں۔

سوالات کے جواب کی دو راہیں:

ان سوالات کے جواب کی دو ہی راہیں ہو سکتی ہیں، ایک یہ کہ ان کا جواب ہم اپنے ذاتی علم و فہم اور غور و فکر کی بناء پر خود دیں؛ لیکن اس طریقہ سے ہم زیادہ سے زیادہ جس نتیجہ پر پہونچ سکتے ہیں وہ یہ ہوگا کہ اس عالم کا کوئی ضرور بنانے والا ہے؛ لیکن اس کے صفات کیا ہیں؟ اس کا جواب ہم اپنے ذاتی تفکر کی بنا پر نہیں دے سکتے، ہمارا دماغ اپنی انتہائی بلند پروازیوں میں بھی قیاس کے حدود سے آگے نہیں بڑھ سکتا؛ لیکن اس معاملہ میں قیاس کی گنجائش نہیں کہ خالق و مخلوق کے درمیان کوئی مشابہت نہیں ہے۔

اس کے بعد دوسرا مشکل سوال اس کا تعین ہے کہ وہ ہم سے کیا چاہتا ہے؟ کیا اس کو پسند ہے اور کیا ناپسند؟ ہم دیکھتے ہیں کہ دوستوں اور عزیزوں اور خاص رفیقوں کی خوشی، پسندیدگی اور ناپسندیدگی کے بارے میں ہمیشہ قیاس مشکل ہے اور اس میں بعض مرتبہ بڑی بڑی غلطیاں ہو جاتی ہیں؛ پھر ایک نادیدہ ذات اور وراء الورا ہستی کی مرضیات و نامرضیات کی یقینی تعیین محض قیاس سے کس طرح ممکن ہے۔

پھر اس علم و فہم اور غور و فکر کا نتیجہ ایک نہیں ہے، نتیجہ میں سخت اختلاف و تعارض ہے، کسی نے اپنے غور و فکر کی بنا پر یہ نتیجہ نکالا ہے کہ یہ کارخانہ بغیر کسی بنانے والے کے بن گیا اور بغیر کسی چلانے والے کے چل رہا ہے اور خود ہی ختم ہو جائے گا۔

کسی کے نزدیک اس کا اگر کوئی صانع ہے تو اس کا اب اپنی مصنوعات سے کوئی تعلق نہیں رہا، کسی کے نزدیک اس کا صانع ہی اس کا حقیقی مالک ہے؛ مگر اب وہ دوسروں کے حق میں اپنے مالکانہ حقوق سے دستبردار ہو گیا ہے اور اس کی مملکت میں وہ بادشاہی کر رہے ہیں۔

کسی نے اس دنیا کی ہر چیز کو جس سے اس کو بظاہر نفع و ضرر پہونچتا ہے یا پہونچ سکتا ہے اپنا الٰہ (معبود) اور ہر صاحب طاقت کو اپنا حاکم بنا لیا اور اس کے ظاہری حواس، روزمرہ کے تجربات اور عقل و فہم نے اس کو اسی نتیجہ پر پہونچایا۔

کسی کے نزدیک انسان ایک ترقی یافتہ حیوان ہے جو کچھ ضرورتیں رکھتا ہے اور کچھ خواہشیں وہ آزاد و خودمختار ہے اور قطعاً غیر مسؤل اس کی طاقت غیر مقید اور اس کا اختیار

غیر محدود ہے، اس کے قانون کا نہ کوئی الٰہی ماخذ ہے نہ اس کے علم کا کوئی غیبی سرچشمہ، دنیا ایک ہنگامۂ کارزار ہے جس میں اصل قانونِ طاقت ہے، اخلاق، خیر وشر، حسن وقبح، یہ سب بے معنی الفاظ ہیں[1]۔

خدا کی ہستی کو تسلیم کرنے کے بعد اس کے صفات کے بارہ میں حکماء اور فلاسفہ نے جو جو قیاس آرائیاں اور موشگافیاں کی ہیں اور جس طرح انہوں نے اس کی طرف ان نقائص کی نسبت کی ہے جن کی نسبت وہ خود اپنی طرف پسند نہیں کرتے، وہ انسانی عقل کے عجائبات میں سے ہے[2]۔

جواب کی دوسری راہ یہ ہے کہ ہم اس بارہ میں کسی دوسری جماعت پر اعتماد کریں؛ لیکن سوال یہ ہے کہ وہ جماعت کونسی ہے؟ اگر وہ حکما کی جماعت ہے تو پوچھا جاسکتا ہے کہ ان مسائل میں ان کو ہمارے مقابلہ میں کونسا امتیاز حاصل ہے اور ان مابعد الطبعیاتی مسائل کے حل کے ان کے پاس کون سے علمی ذرائع ہیں؟ وہ تسلیم کرتے ہیں کہ ان مسائل میں نہ حواس کام کرتے ہیں نہ عقل کا کچھ دخل ہے، ان کو اس علم کے مبادی بھی حاصل نہیں؛ پھر اُن کو اس بارہ میں میں ہماری رہنمائی کا کیا حق ہے اور ہم ان پر کس طرح اعتماد کرسکتے ہیں[3] ان سے بجا طور پر کہا جاسکتا ہے:

هَاَنْتُمْ هٰٓؤُلَآءِ حَاجَجْتُمْ فِيْمَا لَكُمْ بِهٖ عِلْمٌ فَلِمَ تُحَآجُّوْنَ فِيْمَا لَيْسَ لَكُمْ بِهٖ عِلْمٌ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۶۶﴾ (سورۃ آل عمران)۔

''تم نے ان مسائل میں بحث کی جن کا تم کو (تھوڑا بہت) علم تھا اب ایسے مسائل میں کیوں بحث کرتے ہو جن کا تم کو کچھ علم نہیں اور اللہ جانتا ہے تم نہیں جانتے''۔

اب صرف یہی ایک صورت باقی رہ جاتی ہے کہ ان مسائل میں ہم کچھ ایسے انسانوں پر اعتماد کریں جن کا علم اس بارہ میں قیاسی نہ ہو؛ بلکہ یقینی اور قطعی ہو، جنہوں نے ان

---

[1] یہ سب اقوال وعقائد جاہلیت اولیٰ جاہلیت وسطیٰ اور جاہلیت جدیدہ کے عقلا اور فلاسفہ کے ہیں، تفصیل کے لیے ملاحظہ ہوں، کتب فلسفہ ومابعد الطبعیات۔

[2] ملاحظہ ہوں اقوال حکماء یونان، وابن سینا وابن رشد۔

[3] ملاحظہ ہو بحث ''غیب، مضمون'' قرآن سے استفادہ کے شرائط اور اس کے موانع۔

علوم وحقائق کو اپنے مشاہدہ سے اس طرح حاصل کیا ہو جس طرح ہم کو اس عالم کے مسموعات ومبصرات کا علم ہوتا ہے، ان کے لیے یہ چیزیں ایسی ہی بدیہی ہوں، جس طرح ہمارے لیے دنیا کی بہت سی چیزیں ہوتی ہیں، جن کو مشترک انسانی حواس کے علاوہ ایک حاشۂ زائد ملا ہو، جس کو ہم حاشۂ غیبی کہہ سکتے ہیں، جو خدا سے براہِ راست اس کی مرضیات اور احکام معلوم کرسکیں اور دوسرے انسانوں تک پہونچاسکیں یہ صرف پیغمبروں کی جماعت ہے۔

سابق الذکر جماعتیں (حکماء وفلاسفہ) اپنے علم کے یقینی اور قطعی ہونے کا دعویٰ نہیں کرتیں نہ ان کو اس بارے میں کسی مشاہدہ کا دعویٰ ہے، ان کے اقوال ودعاوی کا حاصل یہ ہے کہ ایسا ہوگا یا ایسا ہونا چاہیے یا ہمارے قائم کئے ہوئے مقدمات (جو بدیہی اور قطعی الثبوت نہیں ہیں) ہم کو اس نتیجہ پر پہنچاتے ہیں اور وہ اس کے سوا کہہ بھی کیا سکتے ہیں؟۔

لیکن پیغمبروں کو اپنے علم کے یقینی اور قطعی ہونے کا دعویٰ ہے، وہ صرف یہ نہیں کہتے کہ خدا ہے یا اس کے یہ صفات ہیں؛ بلکہ وہ اس کے ساتھ یہ بھی کہتے ہیں کہ ہم اس کی باتیں سنتے ہیں، ہم اس سے ہم کلام ہوتے ہیں ہمارے پاس اس کے پیغام پہونچتے ہیں، ہمارے پاس اس کے فرشتے آتے ہیں، ان کے لیے کوئی چیز اتنی یقینی اور بدیہی نہیں جتنی خدا کی صفات، اس کے احکام پیغام اور اپنی نبوت ورسالت اس لیے ان کو ایک لمحہ کے لیے بھی ان حقائق میں کوئی شک وتذبذب نہیں ہوسکتا اور کسی کے کہنے سننے سے ان پر کوئی اثر نہیں ہوتا۔

ایک پیغمبر[1] سے جب اس کی قوم نے خدا اور اس کی صفات کے بارے میں حجت کی تو اس نے نہایت سادگی سے اپنا اور بے دلیل بحث کرنے والوں کا فرق بیان کیا:

وَحَاۤجَّهٗ قَوْمُهٗ ؕ قَالَ اَتُحَآجُّوْٓنِّیْ فِی اللّٰهِ وَقَدْ هَدٰىنِ ؕ﴿۸۰﴾ (سورۃ الانعام)۔

"اور اس سے اس کی قوم نے حجت کی، اس نے کہا کہ کیا تم مجھ سے اللہ کے بارے میں حجت کرتے ہو حالانکہ اس نے میری رہنمائی کی ہو"۔

ایک دوسرے پیغمبر[2] نے یہی فرق اس طرح بیان کیا:

قَالَ یٰقَوْمِ اَرَءَیْتُمْ اِنْ كُنْتُ عَلٰی بَیِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّیْ وَاٰتٰىنِیْ رَحْمَةً مِّنْ

[1] حضرت ابراہیم علیہ السلام۔
[2] حضرت ہود علیہ السلام۔

عِنْدِهٖ فَعُمِّيَتْ عَلَيْكُمْ أَنُلْزِمُكُمُوْهَا وَأَنْتُمْ لَهَا كٰرِهُوْنَ﴿۲۸﴾ (سورۃ ھود)۔

''انہوں نے کہا کہ اے قوم! دیکھو تو اگر میں اپنے رب کے صاف راستہ پر ہوں اور اس نے مجھے اپنے پاس سے رحمت بخشی پھر وہ تمہاری نظر سے مخفی رہی کیا ہم تم کو اس پر مجبور کر سکتے ہیں، اس حالت میں کہ تم اس کو پسند نہیں کرتے''۔

ایک تیسرے پیغمبر[1] کے متعلق یوں کہا گیا:

وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى﴿۳﴾ إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى﴿۴﴾ (سورۃ النجم)۔

''وہ اپنے نفس کی خواہش سے نہیں بولتا، وہ محض وحی ہے جو وحی کی جا رہی ہے''۔

اسی کے مشاہدہ کے متعلق کہا گیا:

مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰى﴿۱۷﴾ لَقَدْ رَأٰى مِنْ اٰيٰتِ رَبِّهِ الْكُبْرٰى﴿۱۸﴾

(سورۃ النجم)۔

''نہ اس کی نگاہ بہکی، نہ حد سے بڑھی، بیشک اس نے اپنے رب کی بڑی بڑی نشانیاں دیکھیں''۔

مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَأٰى﴿۱۱﴾ أَفَتُمٰرُوْنَهٗ عَلٰى مَا يَرٰى﴿۱۲﴾ (سورۃ النجم)۔

''(رسول کے) دل نے جھوٹ نہیں کہا جو کچھ دیکھا، کیا تم اس سے جو کچھ اس نے دیکھا اس پر جھگڑتے ہو''۔

اس یقین و مشاہدہ کے مقابلہ میں جو کچھ ہے اس کی حقیقت بھی سن لیجئے:

إِنْ يَّتَّبِعُوْنَ إِلَّا الظَّنَّ وَمَا تَهْوَى الْأَنْفُسُ وَلَقَدْ جَاءَهُمْ مِّنْ رَّبِّهِمُ الْهُدٰى﴿۲۳﴾ (سورۃ النجم)۔

''وہ محض اٹکل اور دل کی خواہشوں پر چلتے ہیں؛ حالانکہ ان کے پاس ان کے رب کی طرف سے ہدایت آ چکی ہے''۔

وَمَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ إِنْ يَّتَّبِعُوْنَ إِلَّا الظَّنَّ وَإِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِيْ مِنَ الْحَقِّ شَيْئًا﴿۲۸﴾ (سورۃ النجم)۔

''ان کو اس کی کچھ بھی خبر نہیں، وہ محض اٹکل پر چلتے ہیں اور قیاس حقیقت کے

---

[1] حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم۔

قائم مقام نہیں ہوسکتا"۔

زندگی کی مکمل توجیہ وحی اور پیغمبروں کی بصیرت کے بغیر ممکن نہیں:

ان مابعد الطبعیاتی سوالات کے علاوہ جن کا جواب دیئے بغیر ہماری زندگی حیوانی زندگی سے ممتاز نہیں ہوسکتی، ہم یوں بھی وحی کی روشنی اور پیغمبروں کے نور بصیرت کے بغیر اپنی زندگی کی مکمل توجیہ نہیں کرسکتے اور نظام کائنات کا حقیقی مرکز اور اس ہمہ گیر اور حکیمانہ قانون کو دریافت نہیں کرسکتے، جو اس عالم میں کارفرما ہے، اپنی ذاتی بصارت سے ہم کو یہ زندگی ایک وحدت کے طور پر نظر نہیں آئے گی؛ بلکہ ایک منتشر شیرازہ ملے گا جس کے اوراق بکھرے ہوئے ہیں اس کی کچھ سطریں اور اس کے بعض عنوانات ہم غور کرکے پڑھ سکتے ہیں؛ مگر اس صحیفۂ کائنات کا موضوع اس کتاب کا خلاصہ اور اس کے مصنف کی معرفت ہم کو پیغمبروں کی بصیرت کے بغیر حاصل نہیں ہوسکتی!

حکماء اور ماہرین طبعیات نے کائنات سے متعلق جو تحقیقات کی ہیں، زندگی سے متعلق جن حقائق کا انکشاف کیا ہے، طبعی قوتوں کو اپنے علم وتجربہ سے انسان کے لیے جس طرح مسخر کیا ہے اور جس طرح کائنات کے ایک ایک شعبہ اور زندگی کے ایک ایک گوشہ کے لیے مستقل علوم مرتب کئے اور کتب خانے فراہم کردیئے وہ انسانی علم کا ایک کارنامہ ہے۔

لیکن یہ جو کچھ بھی ہے یہ زندگی اور کائنات کے اصل مجموعہ کے کسور واجزا ہیں، جس میں باہم کوئی ربط نہیں ہے نہ ان کا کوئی مرکز معلوم ہے، یہ سب کس نظام کے ماتحت ہیں، کس مقصد کے تابع ہیں اور کس اہم غرض کے خادم ہیں، ہمارے لیے عملی طور پر یہ سوالات زیادہ اہم ہیں، اخلاق، طریق کار اور زندگی کے اصل نقطۂ نظر پر جو تمدن کا اصل محرک اور روح ہے یہ مباحث زیادہ اثر انداز ہیں؛ لیکن یہ تمام سوالات ان حکماء اور ماہرین کے موضوع بحث سے خارج ہیں، انہوں نے اپنے علم وتحقیق کا سفر اصل نقطۂ آغاز (خالق کی معرفت) سے شروع نہیں کیا، اس لیے وہ ہمیشہ آفاق میں گم رہیں گے اور زندگی کے معمہ کو کبھی حل نہ کرسکیں گے۔

لیکن اس کے بالکل برخلاف جب ہم وحی کی روشنی اور پیغمبر کی بصیرت سے اس عالم پر ایک نظر ڈالتے ہیں تو وہ ایک "وحدت" نظر آتا ہے اور ایک اعلیٰ وحدانی نظام معلوم

ہوتا ہے، جس کے اجزا میں مبہم پورا تعاون ہے یہ سب سب ایک مرکز کے تابع ہیں، ان کی ہر حرکت وعمل ایک مقصد کے ماتحت ہے، ان میں نہ باہمی تصادم ہے، نہ خود مرکزیت، دنیا ایک مرتب ومتوازن مشین ہے، جس کا ہر پرزہ اپنی جگہ پر کارآمد ہے اور دوسرے پرزہ کی مدد کررہا ہے یا ایک بڑا کارخانہ ہے جس میں صدہا مشینیں چل رہی ہیں، ہر مشین کو دوسری مشین سے پورا تعلق ہے اور یہ پوری مشینیں یا پورا کارخانہ ایک صاحب علم وصاحب اختیار طاقت کے ہاتھ میں ہے جو اس کو ایک قانون اور نظام کے ماتحت جو اسی کا وضع کیا ہوا ہے چلا رہا ہے۔

انبیاء اور محققین کے طریق نظر اور طریق کار کا اختلاف:

انبیاء اور حکماء ومحققین کے طریق نظر اور طریق کار کا اس کائنات کے بارے میں جو اختلاف ہے اس کی وضاحت ہم ایک مثال سے کرتے ہیں:

کسی شہر میں علماء ومحققین کی ایک جماعت داخل ہوتی ہے ان میں سے ایک گروہ یہ تحقیق کرتا ہے کہ اس شہر کا محل وقوع کیا ہے؟ اس کے حدود اربعہ کیا ہیں؟ اس کے پاس کتنے دریا اور کتنے پہاڑ ہیں، وہ دریا کہاں سے آتے اور وہ پہاڑ کہاں تک جاتے ہیں؟ شہر کا رقبہ کیا ہے؟ وہاں کیا کیا چیزیں پیدا ہوتی ہیں؟ یہ جغرافیہ والوں کا گروہ ہے۔

دوسرا گروہ یہ دریافت کرتا ہے کہ یہ شہر کب سے آباد ہے، شہر میں کون کون سے آثارِ قدیمہ پائے جاتے ہیں؟ ان کی تاریخ کیا ہے؟ یہ مؤرخین اور علماء آثار کی جماعت ہے۔

کچھ لوگ اس کی زمین کی حیثیت معلوم کرنا چاہتے ہیں، وہ کھدائیاں کرتے ہیں اور اس کی معدنیات دریافت کرتے ہیں، یہ ماہرین طبقات الارض کا گروہ ہے۔

کچھ لوگ وہاں ایک رصدگاہ قائم کرتے ہیں جہاں سے سیاروں اور ثوابت کا مطالعہ کرتے ہیں ان کے زمین سے فاصلے دریافت کرتے ہیں، زلزلوں اور بارشی ہواؤں کے متعلق پیشین گوئیاں کرتے ہیں، یہ علماء طبعیات وہیئت کی جماعت ہے۔

کچھ لوگ وہاں کیمیائی معمل قائم کرتے ہیں، جہاں ادویہ کے خواص کا تجربہ کرتے ہیں، مفردات ومرکبات کی تحلیل وتجزیہ کرکے نئی نئی تحقیقات کرتے ہیں، یہ علم کیمیا اور نباتات کے ماہر ہیں۔

کچھ لوگ شہر کی زبان کے متعلق تحقیق کرتے ہیں، اس کے ادب کا مطالعہ کرتے ہیں، اس کے لغت کی تدوین اور اس کے قواعد وضع کرتے ہیں، یہ ادبا اور علماء السنہ کی جماعت ہے۔

کچھ صاحبِ ذوق ان خشک مباحث سے ہٹکر، گلشن کی سیر کرتے ہیں، پھولوں پتیوں اور مناظرِ طبعی کا لطف اٹھاتے ہیں اور ان کے متعلق اظہارِ خیال کرتے ہیں، یہ شعراء کی جماعت ہے۔

کچھ لوگ وہاں کے عادات ورسوم اور اخلاق کا مطالعہ کرتے ہیں اور ان کی تنقید کرتے ہیں وہ سراغ لگاتے ہیں کہ یہ عادات ورسوم ان میں کہاں سے داخل ہوئے؟ کس طرح پیدا ہوئے؟ ان میں سے کون صحیح ہیں؟ اور کون قابلِ اصلاح؟ یہ علماء اجتماع اور اخلاق ہیں۔

کچھ لوگ شہر سے متعلق کچھ اصلاحات پیش کرتے ہیں، شہر کی تنظیم وترقی اور اہلِ شہر کی راحت رسانی کے لیے ان کے پاس کچھ تجاویز ہوتی ہیں، یہ علماء تمدن ہیں۔

یہ سب جماعتیں اپنے اپنے کام میں مشغول ہوجاتی ہیں اور دلچسپی وانہماک کے ساتھ اپنے اپنے شعبوں کی تحقیقات کرنے لگتی ہیں۔

اب ایک شخص اس شہر میں داخل ہوتا ہے، وہ پورے شہر پر ایک گہری نظر ڈالتا ہے، وہ دیکھتا اور سنتا سب کچھ ہے مگر مشغول کسی چیز میں نہیں ہوتا، اس کے نزدیک اہم سوالات یہ نہیں ہوتے کہ شہر کا رقبہ کیا ہے؟ اس کی تاریخ کیا ہے؟ اس کی زمین کی تہ میں کونسی معدنیات پائی جاتی ہیں؟ اور وہ دوسرے سوالات جو سابق الذکر جماعتوں کے نزدیک اہم تھے، اس کے سامنے اولین اور اہم ترین سوال یہ ہوتا ہے کہ یہ شہر اس حسن وصنعت کے ساتھ کس نے تعمیر اور آباد کیا؟ یہاں کس کی حکومت ہے؟ شہر کے باشندے کس کی رعیت ہیں؟ اس کا نظام حکومت کیا ہے؟ شہر کی آبادی اور عام زندگی سے اس کو کس طرح کا اور کس درجہ کا تعلق ہے؟ وہ اس اعلیٰ تنظیمی طاقت سے براہِ راست واقفیت پیدا کرتا ہے، اس کے اُصول ومقاصد معلوم کرتا ہے؛ پھر تمام شعبہائے زندگی پر ایک تنقیدی نظر ڈالتا ہے، ان سب کو مرکز کے تابع اور مقصد کے ماتحت کرتا ہے اور ان کی اصلاح اور باہمی تعاون سے ایک منظم اور اعلیٰ زندگی پیدا

کرتا ہے، وہ حکومت اور رعیت کے درمیان واسطہ بنتا ہے، حکومت کا ترجمان اور اس کے احکام کا شارح ہوتا ہے، پس وہ تمام علمی اور تحقیقی جماعتیں مل کر بھی اس ایک شخص کی قائم مقام نہیں ہوسکتیں، اس کے بغیر یہ پورا شہر صرف ایک عجائب خانہ اور سیر گاہ بن کر رہ جاتا ہے۔

اس عالم میں جو اللہ تعالیٰ کی سلطنت ہے اور جس میں رہنے والے اس کی پیدائشی رعیت ہیں انبیاء کا طریقِ نظر حکماء اور محققین سے اسی طرح جدا ہوتا ہے، ان کا کام موجودات کے اسرار وحقائق کے انکشاف واظہار پر ختم نہیں ہوتا؛ بلکہ ان کا اصل موضوع ''موجد کی ذات اور صفات اور اس کے احکام'' ہے، صحیفۂ کائنات کے اوراق وصفحات ان کے سامنے بھی اسی طرح کھلے اور پھیلے ہوئے ہوتے ہیں، جس طرح دوسرے اہلِ نظر کے سامنے؛ مگر ان کی نظر کہیں اٹکتی الجھتی نہیں، وہ اس صحیفہ کے مصنف سے براہِ راست تعلق پیدا کرتے ہیں، وہ ''آفاق'' وانفس میں اس کی کھلی نشانیاں دیکھتے ہیں اور اس کی سلطنت کا ایسا مشاہدہ کرتے ہیں کہ اس زمین وآسمان میں ان کو صرف اسی کا حکم چلتا نظر آتا ہے اور صرف اسی کی بادشاہی کا جلوہ دکھائی دیتا ہے اس کا قانون ان کو کسی گوشہ میں بھی ٹوٹتا نظر نہیں آتا اور اس کا حکم کہیں بھی ان کو ٹلتا دکھائی نہیں دیتا، تمام بلندیاں اس کے سامنے سرافگندہ دکھائی دیتی ہیں اور تمام طاقتیں اس کے سامنے سپر افگندہ نظر آتی ہیں، ہر معاملہ میں اسی کا غیبی ہاتھ کام کرتا نظر آتا ہے، زمین وآسمان اسی کے سہارے تھمے ہوئے معلوم ہوتے ہیں اور اس کا ''قیوم السموات والارض'' ہونا ان کے لیے عین الیقین بن جاتا ہے۔

یہی خدا کی وہ بادشاہی ہے جو ان کو بے نقاب دکھائی دیتی ہے اور جس کا علم سب سے بڑا علم اور حقیقۃ حقائق ہے جس سے حکماء ومحققین کے علوم کو ذرہ کی بھی نسبت نہیں اور جس کے مقابلہ میں ان کی حقیقت طفلانہ معلومات سے زیادہ نہیں۔

وَكَذٰلِكَ نُرِيٓ اِبْرٰهِيْمَ مَلَكُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلِيَكُوْنَ مِنَ الْمُوْقِنِيْنَ ﴿۷۵﴾ (سورۃ الأنعام)۔

اسی طرح ہم ابراہیم کو آسمانوں اور زمین کی بادشاہی دکھاتے ہیں اور تاکہ اس کو یقین آجائے۔

پیغمبروں کی تعلیم زندگی کی صحیح اساس ہے:

پیغمبروں کو خدا کی طرف سے جو ابدی علوم وحقائق اور اخلاق وتمدن کے جو قطعی اُصول وقواعد حاصل ہوتے ہیں، ان کے بغیر نہ کسی صحیح زندگی کی تعمیر ہوسکتی ہے نہ کسی صحیح تمدن کی تاسیس، نہ اخلاق کی تہذیب، نہ نفس کا تزکیہ، زندگی کی تاریکیوں میں انھیں کی تعلیم ہی تنہا ایک روشنی ہے، جہاں یہ روشنی نہ پہونچے یا پہونچ کر کسی سبب سے گل ہوجائے، وہاں کی تاریکی کو کسی مصنوعی روشنی سے روشن نہیں کیا جاسکتا، اسی کا نام ''جاہلیت'' ہے؛ خواہ وہ کسی عہد میں پائی جائے اور وہ کیسے ہی انسانی علوم وفنون کے ترقی کا عہد ہو۔

دنیا کا سب سے بڑا علم جس سے علم کے سارے چشمے پھوٹے ہیں، خدا کی معرفت ہے، جس کے بغیر نہ اس دنیا کا معمہ حل ہوتا ہے نہ انسان کی اپنی معرفت حاصل ہوتی ہے، خدا کی معرفت انسان کی فطرت میں ودیعت ہے؛ لیکن اس خوابیدہ قوت کو بیدار کرنے کے لیے اکثر اوقات انبیاء کی تحریک ضروری ہوتی ہے اور اس کی وضاحت وتصحیح کے لیے ان کی رہنمائی ہمیشہ ضروری ہوتی ہے، اس کے لیے نہ سلامت فہم کافی ہے، نہ سلامت فطرت، نہ ذکاوت اور سرعت وتدارک وبڑے سے بڑا غور ومطالعہ، ہر زمانہ میں لاکھوں اور کروڑوں سلیم الفہم وسلیم الفطرت اور ذی انسان پیغمبران کی تحریک کے بغیر اس حقیقت کا ادراک نہ کرسکے یا اس کا کچھ ادراک کرنے کے بعد وہ بعض ایسی شدید غلط فہمیوں اور نادانیوں میں مبتلا ہوگئے، جنہوں نے ان کو اس علم سے مستفید ہونے سے باز رکھا۔

تہذیب اخلاق اور تزکیۂ نفس بھی پیغمبروں کی رہنمائی اور تعلیم کے بغیر ممکن نہیں، انسان کی فطرت سلیم کے ظہور کے لیے دنیا میں کثرت سے موانع اور حجابات ہیں، طبیعت تربیت، ماحول اور غلط علم کے ایسے موٹے موٹے پردے پڑجاتے ہیں جو انبیاء کی طاقتور روشنی کے بغیر چاک نہیں ہوسکتے، انسان کے دل ودماغ کے قفلوں کو صرف انہیں کی کلید ہدایت کھول سکتی ہے اور انہیں کا صیقل اس کے آئینہ کا زنگ دور کرسکتا ہے۔

اخلاقیات میں حدود کی صحیح تعیین، اعتدال، جامعیت اور صحیح توازن کے لیے جس اعتدال مزاج جس اعلیٰ سلامت روی اور جس دقت نظر کی ضرورت ہے وہ صرف انبیاء میں

پائی جاتی ہے، وہ مزاجی، طبعی اور اخلاقی حیثیت سے خدا کی صنعت کا بہترین نمونہ ہوتے ہیں، صرف انہیں کے اعمال اور تعلیمات، غلو، افراط وتفریط، تنگ ظرفی اور تنگ نظری سے پاک ہوتی ہیں، پھر ان سے جو لوگ جتنے زیادہ قریب ہوتے ہیں وہ اس جامعیت وتوسط کا نمونہ ہوتے ہیں، انبیاء کرام اور ان کے اصحاب کی سیرتیں اس کی شاہد ہیں۔

انبیاء کی دعوت:

انبیاء کرام کو جب اس حقیقت کا کھلی آنکھوں مشاہدہ ہوجاتا ہے کہ یہ عالم خدا کا پیدا کیا ہوا ہے، اس کی مملکت ہے اور اسی کے حکم سے یہ پورا نظام چل رہا ہے تو پھر وہ انسانوں کی طرف توجہ کرتے ہیں اور تعجب سے دیکھتے ہیں کہ کائنات اور اس کے تمام اجزا نے چاروناچار جس بڑی طاقت کے سامنے سر جھکا دیا ہے اور اپنے کو اس کے تابع فرمان بنا دیا ہے انسان جو اس کائنات کے مجموعہ کا سب سے اہم جز ہے اس کے سامنے اپنے ارادہ اور خواہش سے جھکنے میں تامل کر رہا ہے اگرچہ وہ بلا ارادہ اس کے سامنے جھکا ہوا ہے اور اس کے تکوینی احکام وقوانین کے زیر فرمان ہے وہ اسی کے حکم سے پیدا ہوتا ہے، اسی کے حکم سے نشوونما پاتا ہے، بچہ سے جوان ہوتا ہے اور جوان سے بوڑھا، اس کی پیدا کی ہوئی چیزیں کھاتا ہے، اسی کے حکم سے بیمار ہوتا ہے اور اسی کے حکم سے صحت پاتا ہے، وہ زندگی کی تمام ضروریات میں اپنے تمام جسمانی احکام فطرت میں خدا کے بنائے ہوئے نظام وقوانین کے اسی طرح تابع ہے جس طرح جمادات ونباتات وحیوانات؛ لیکن جب اس سے کہا جاتا ہے کہ جس طاقت کے سامنے تم بلا ارادہ جھکے ہوئے ہو اس کے سامنے تم بالارادہ بھی جھک جاؤ کہ تمہارے شرف وفضیلت اور علم وحکمت کے یہی شایانِ شان ہے تو اس کو اس میں عذر ہوتا ہے، انبیاء کرام نے جب پہلی حقیقت کے بالکل برخلاف یہ واقعہ دیکھا اور انہوں نے دیکھا کہ ان کی انسانی برادری کے بہت سے افراد نے خالق کے بجائے اس کی بعض مخلوقات کے سامنے سر جھکایا ہے اور ان کی عبادت واطاعت اختیار کرلی ہے تو ان کی زبان سے بے ساختہ نکلا:

أَفَغَيْرَ دِينِ اللَّهِ يَبْغُونَ وَلَهُ أَسْلَمَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ طَوْعًا وَّكَرْهًا وَّإِلَيْهِ يُرْجَعُونَ ﴿۸۳﴾ (سورۃ آل عمران)۔

''کیا اللہ کی فرمانبرداری کے سوا کسی اور کی فرمانبرداری کے طالب ہیں حالانکہ اللہ کے سامنے زمین وآسمان کی سب چیزیں اپنی خوشی یا زور سے جھکی ہوئی ہیں اور اللہ ہی کی طرف ان سب کو لوٹ کر جانا ہے''۔

عالم کی یہی فتادگی اور کائنات کا یہی سجود ہے جو قرآن کی آیات سجدہ میں کثرت سے بیان کیا گیا ہے:

وَلِلّٰهِ يَسْجُدُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ مِنْ دَآبَّةٍ وَّالْمَلٰٓئِكَةُ وَهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ ۝ يَخَافُوْنَ رَبَّهُمْ مِّنْ فَوْقِهِمْ وَيَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ ۝

(سورۃ النحل)۔

''اور اللہ ہی کے سامنے زمین وآسمان کی تمام مخلوقات اور فرشتے سربسجود ہیں اور ان میں خدا کے سامنے تکرار کا کوئی جذبہ نہیں، اپنے رب سے جو ان کے اوپر ہو ڈرتے ہیں اور اس کے احکام کی اطاعت کرتے ہیں''۔

بس انبیاء کی دعوت یہ ہوتی ہے کہ انسان بھی اسی طاقت کے سامنے سر تسلیم خم کردے جس کے سامنے ساری کائنات سرافتادہ ہے اور کائنات کا ایسا جز ہو کہ زندگی گزارے جو اپنی حرکت وعمل میں اس کی مجموعی حرکت ورفتار سے ہم آہنگ اور خالق کائنات اور مدبر ارض وسماوات کے احکام وقوانین کے تابع ہو، وہ اپنی تمام غلط خواہشات اختیار ومطلق العنانی اور آزادی وخودمختاری کے دعووں اور اپنے ''حقوق مالکانہ'' سے دستبردار ہوکر اپنے کو اس کے حوالے کردے اسی کا نام ''اسلام'' ہے جس کی دعوت لیکر تمام انبیاء آئے۔

ظاہر ہے کہ اس ''دین'' اور ''اسلام'' (اطاعت مطلق اور تسلیم کامل) کے بعد اور اس تصور کے ساتھ کہ بالآخر پھر راست اسی سے پڑنے والا ہے (وَاِلَيْهِ يُرْجَعُوْنَ) اور اس کے سامنے اس زندگی کا حساب کتاب پیش کرنا ہے، انسان میں مطلق العنانی اور خود مختاری کا جذبہ کسی طرح نہیں پیدا ہوسکتا، اس کی زندگی کا نقشہ اس کے دماغ کے سانچے سے ڈھل کر نہیں نکلے گا؛ بلکہ اسی کا تجویز کیا ہوگا جس نے کائنات کا پورا نقشہ بنایا ہے اور خود اس کا بھی خالق ہے، اس کے اخلاق وعادات، سیاست واجتماع اور احکام وقوانین اس کے اپنے تصنیف نہ ہوں گے؛ بلکہ اس کو سب خدا کی طرف سے ملیں گے۔

جاہلیت:

وحی ورسالت کے اس راستہ کے مقابل دوسرا راستہ یہ ہے کہ انسان اپنے کو اس عالم میں ایک وجود مستقل فرض کرلے جس کی زندگی کا رُخ کائنات کی دوسری چیزوں سے بالکل جدا ہے اور اس میں وہ کسی بالائی طاقت کے زیر فرمان، کسی آسمانی نظام کا تابع اور کسی غیر انسانی عدالت کے سامنے جوابدہ نہیں ہے، یہ جاہلیت کا راستہ اور حقیقت خدا کی اس سلطنت میں چھوٹی چھوٹی متعدد آزاد اور خودمختار سلطنتیں قائم کرنے کی باغیانہ کوششیں ہے، اس موقع پر مناسب معلوم ہوتا ہے کہ زندگی اور متعلقات زندگی پر ان دو مقابل نظریوں اور تصورات کا جو اثر پڑا ہے واضح کردیا جائے۔

پیغمبرانہ نظامِ زندگی اور جاہلیت:

اخلاق، تمدن اور سیاست الگ الگ نظام نہیں ہیں؛ بلکہ ایک ہی نظام کے اجزاء ہیں اس نظام کی بنیاد ایک مابعد الطبعیاتی نظریہ یا تعلیم پر ہے، دنیا میں متعدد مابعد الطبعیاتی نظرئے ہوسکتے ہیں اور ہوچکے ہیں، ان میں ہر ایک کی بنیاد پر زندگی کا ایک پورا نظام مرتب کیا جاسکتا ہے، اس نظام میں عبادت بھی ہوگی، اخلاق بھی ہونگے، تمدن بھی ہوگا اور سیاست بھی ہوگی، ان میں سے ہر ایک نظام دوسرے نظام سے اپنی روح اپنے اشکال میں اسی قدر مختلف ہوگا جس قدر انسانی زندگی اور بہیمانہ زندگی میں اختلاف ہے، حیوانوں اور انسانوں میں بہت سی چیزیں عام اور مشترک ہیں، حیوان اور انسان یکساں جسم اور جسم نامی میں حیوانیت کی منطقی حقیقت میں بھی اشتراک ہے؛ لیکن اس کے باوجود یہ دونوعیں ہیں؛ اسی طرح دونوں نظاموں میں بعض جنسی اور نوعی اشتراکات کے باوجود بڑا "فصل" ہوگا، دونوں نظاموں کے ماننے والے بہت سے مظاہر زندگی میں شریک ہونگے، کھانے پینے اور پہننے اور بہت سی تمدنی ضرورتوں میں ان میں آپس میں اختلاف نہ ہوگا؛ لیکن پھر بھی بڑا اختلاف ہوگا، ہوسکتا ہے کہ جتنا جانور اور انسان کی زندگی میں ہوتا ہے۔

ان نظریات میں دونظرئے بہت قدیم اور کامیاب ہیں اور ہر انسانی دور میں، دنیا کی انسانی آبادی ان میں بٹی رہی، ان دونوں نظریوں میں ہمیشہ جنگ جاری رہی

ہے اور ایک کو دوسرے پر غلبہ ہوتا رہا ہے۔

ایک نظریہ یہ ہے کہ اس دنیا کو خدا نے پیدا کیا ہے وہی اس کا منتظم، مالک اور حقیقی حاکم ہے، انسان اس کی مخلوق، بندے اور رعیت ہیں، اس زمین پر وہ اس کی حکومت کے نائب اور اس کے خزانوں کے امین ہیں، یہ زندگی امتحان کے لیے ہے، اس کے بعد ایک دوسری زندگی آئے گی جس میں پہلی زندگی کا محاسبہ ہوگا اور وہاں صرف وہ لوگ کامیاب ہونگے جنھوں نے یہاں خدا کے احکام وقوانین کے مطابق زندگی بسر کی ہے۔

اس عقیدہ کی تہ سے جو اخلاق اُبھریں گے اور اس نظریہ کے تخم سے جو تمدن اُگے گا اور اس تصویر کی بناء جو حکومت قائم ہوگی، اس کے پورے جسم میں خدا پرستی اور خدا ترسی کی روح ہوگی، تقویٰ اور احتیاط اس کے رگ وریشہ میں سرایت کر چکا ہوگا، اس میں بادشاہی کی شان نہ ہوگی؛ بلکہ بندگی کی شان ہوگی، وہ اپنے کو زمین میں امن کا پاسباں حق کا وکیل، صداقت کا علمبردار، مظلوموں کا حامی سمجھیں گے اور قَوّٰمِيْنَ بِالْقِسْطِ شُهَدَآءَ لِلّٰهِ ﴿۱۳۵﴾ (سورۃ النساء) ''عدل وانصاف کے ذمہ دار اور منتظم اور اللہ کے گواہ'' کی لقب کے مصداق ہوں گے۔

ان میں ذاتی سربلندی اور شخصی اقتدار کا جذبہ کبھی پیدا نہ ہوگا، طاقت اور حکومت کا نشہ ان پر کبھی سوار نہ ہوگا، وہ کبھی اپنے ذاتی فوائد کے لیے دوسروں کے فوائد کی قربانی پسند نہ کریں گے اور ان کی ذات سے کبھی زمین پر فساد برپا نہ ہوگا اس لیے کہ انہوں نے سنا ہوگا کہ:

تِلْكَ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ نَجْعَلُهَا لِلَّذِيْنَ لَا يُرِيْدُوْنَ عُلُوًّا فِي الْاَرْضِ وَلَا فَسَادًا وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ ﴿۸۳﴾ (سورۃ القصص)۔

''وہ آخرت کا گھر ہم لوگوں کو دیں گے جو زمین میں اپنا تفوق نہیں چاہتے اور نہ فساد اور انجام خدا ترس لوگوں کے لیے ہے''۔

ان کے یہاں شخصی اور اجتماعی اخلاق کی کوئی تقسیم نہ ہوگی وہ دونوں قسم کے اخلاق میں خدا ترس اور محتاط ہوں گے، وہ خدا کے خوف سے (نہ کہ قانون اور پولیس کے خوف سے) جرائم سے مجتنب اور قانون کے پابند ہوں گے، اس لیے وہ گھر کے اندر بھی وہی ہوں گے جو گھر کے باہر تخت سلطنت پر بھی وہی ہوں گے جو گھر کے بوریے پر وہ جلوت وخلوت دونوں میں یکساں ہوں گے، اس لئے کہ خدا دونوں جگہ موجود ہے اور ان کا اعتقاد ہوگا:

مَا يَكُوْنُ مِنْ نَّجْوٰى ثَلٰثَةٍ اِلَّا هُوَ رَابِعُهُمْ وَلَا خَمْسَةٍ اِلَّا هُوَ سَادِسُهُمْ وَلَآ اَدْنٰى مِنْ ذٰلِكَ وَلَآ اَكْثَرَ اِلَّا هُوَ مَعَهُمْ اَيْنَ مَا كَانُوْا ثُمَّ يُنَبِّئُهُمْ بِمَا عَمِلُوْا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ۝ (سورۃ المجادلۃ)۔

''تین آدمیوں کا مشورہ بھی ہوگا تو ان کا چوتھا خدا ہوگا، پانچ آدمیوں کا ہوگا تو چھٹا وہ ہوگا اور نہ اس سے کم اور نہ اس سے زائد مگر یہ کہ وہ ان کے ساتھ ہوگا پھر قیامت میں ان کو ان کے اعمال کی خبر دے گا، بیشک اللہ ہر چیز سے واقف ہے''۔

ان کی حکومت چند اشخاص یا کسی خاندان کے عیش و کامرانی یا کسی قوم اور ملک کے تفوق اور برتری کا ذریعہ نہ ہوگی؛ بلکہ اخلاقِ حسنہ کی عام اشاعت، نیکی اور خدا ترسی کے رواج، حق و صداقت کے غلبہ اور بد اخلاقی اور فساد کے زوال کا سبب ہوگی۔

اَلَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِي الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ وَلِلّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ ۝ (سورۃ الحج)۔

''یہ وہ لوگ ہیں کہ اگر ہم ان کو زمین میں اقتدار بخشیں گے تو وہ نماز قائم کریں گے، زکوٰۃ دیں گے، بھلائی کا حکم کریں گے، برائی سے روکیں گے اور انجام اللہ ہی کے ہاتھ ہے''۔

ان کا تمدن عیش و عشرت، شان و شوکت، لہو و لعب اور زینت و تفاخر اور مال و دولت کے مقابلہ کا مظاہرہ نہ ہوگا؛ بلکہ ایک پاکباز اور محتاط تمدن ہوگا جس میں عمل اور دینداری کی مسابقت ہوگی، تقویٰ معیارِ فضیلت ہوگا، شراب اس میں حرام ہوگی، سود لینا ناجائز ہوگا، سونے چاندی کے برتنوں کا استعمال ممنوع ہوگا، تصاویر اور پتھر کے بت اور انسانی مورتیں دیکھنے میں نہ آئیں گی، قمار خانے ناپید ہونگے، فسق و فجور پر سخت بندشیں اور سزائیں ہونگی، موسیقی اور غفلت و تعیش کے اسباب پر قیود ہوں گے۔

اس تمدن کی روح یہ نہ ہوگی کہ ''بعیش کوش کہ عالم دوبارہ نیست'' بلکہ دنیا کی زندگی کے بارہ میں ان کا نقطۂ نظر یہ ہوگا کہ:

اَنَّمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا لَعِبٌ وَّلَهْوٌ وَّزِيْنَةٌ وَّتَفَاخُرٌ بَيْنَكُمْ وَتَكَاثُرٌ فِي الْاَمْوَالِ وَالْاَوْلَادِ كَمَثَلِ غَيْثٍ اَعْجَبَ الْكُفَّارَ نَبَاتُهٗ ثُمَّ يَهِيْجُ فَتَرٰىهُ

مُصْفَرًّا ثُمَّ يَكُوْنُ حُطَامًا وَفِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ شَدِيْدٌ وَّمَغْفِرَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانٌ وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ ﴿۲۰﴾ (سورۃ الحدید)۔

''دنیا کی زندگانی محض کھیل تماشا، آرائش ایک دوسرے پر فخر مال واولاد میں ایک دورے سے بڑھنے کی کوشش ہو جیسے ایک بارش جس کا سبزہ کھیتی کرنے والوں کو اچھا معلوم ہوا پھر وہ کھیتی لہلہاتی ہے، پھر تم اس کو زرد دیکھتے ہو پھر وہ بھوسہ بن جاتی ہے اور آخرت میں سخت عذاب ہے اور معافی بھی ہے، اللہ کی طرف سے رضامندی اور دنیا کی زندگی تو دھوکہ کا سامان ہے''۔

یہ ایک علیحدہ اور مستقل نظامِ زندگی ہے جو اپنی بنیاد سے لیکر آخری بلندی تک دوسرے نظاموں سے اپنی ایک ایک اینٹ میں ممتاز ہے، اس کا سنگِ بنیاد وہی مابعد الطبعیاتی نظریہ ہے جو اوپر گزرا۔

اس نظریہ کے دائمی اور اس نظام زندگی کے بانی پیغمبر ہیں، جن کا سلسلہ حضرت آدم علیہ السلام سے شروع ہو کر حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم ہوتا ہے، آپ نے اس نظام زندگی کو عملی طور پر دنیا کے سامنے پیش کیا اور آپ نے اور آپ کے سچے جانشینوں نے منظم ومرتب طریقہ پر اس کو خارج میں قائم کر کے دکھا دیا، جاہلی نظام کے مقابلہ میں یہی سب سے بڑی طاقت ہے جو ہمیشہ زندہ رہے گی۔

دوسرا نظریہ، یہ ہے کہ ممکن ہے اس دنیا کو خدا نے پیدا کیا ہو لیکن اس کا اب اس کائنات سے کوئی عملی اور انسان کی زندگی سے کوئی داخلی تعلق نہیں ہے، انسان کائنات کی سب سے بڑی طاقت ہے، وہ زمین اور قدرت کے خزانوں کا حقیقی مالک ہے، یہی زندگی اصل زندگی ہے، اس کے بعد اندھیرا ہی اندھیرا ہے، اس لیے جس قدر اس زندگی میں عیش کیا جا سکے کر لیا جائے، انسان اپنی طاقتوں کے استعمال میں بالکل آزاد ہے، طاقت اصل قانون اور اغراض ومصالح عمل کے اصل محرک ہیں، یہ جاہلیت کا نظریہ ہے۔

اس نظریہ سے ایک ناخدا شناس تمدن اس طرح پھوٹتا ہے جس طرح بیج سے درخت نکلتا ہے جو اپنی تمام پتیوں اور شاخوں میں اس بیج کے خواص اور اثرات رکھتا ہے،

ساری زندگی میں بے قیدی اور آزادی سرایت کر جاتی ہے، نفع اندوز ذہنیت اور خود غرضانہ نقطۂ نظر زندگی پر چھا جاتا ہے، گناہ وثواب کا قصور جاتا رہتا ہے؛ بلکہ یہ اصطلاحیں قابل مضحکہ بن جاتی ہیں، اخلاق کی دو قسمیں ہوجاتی ہیں، پرائیوٹ اور پبلک پرائیوٹ اخلاق قابل اعتراض نہیں رہتے، اس لئے ایک ہی شخص کی دو حیثیتیں ہوجاتی ہیں، خانگی اور خارجی، شخصی اور خانگی طور پر اس کو آزادی دیدی جاتی ہے اور اجتماعی طور پر اس کو کچھ مصالح کا پابند کر دیا جاتا ہے، جرائم سے مانع صرف قانون کی لفظی پابندی اور سزا یا پولیس کا خوف ہوتا ہے، اس لیے جہاں یہ موانع دور ہوتے ہیں، جرائم کے ارتکاب میں کوئی چیز مانع نہیں رہتی، قانون کی عظمت دل سے جاتی رہتی ہے اس لیے کہ وہ اپنے جیسے انسانوں کا بنایا ہوا ہوتا ہے، جن کا ذہن میں کوئی تقدس نہیں ہوتا اور جو اقتدار اور قانون سازی کے منصب پر اپنی ذکاوت یا دولت یا طاقت کی وجہ سے زبردستی قابض ہوجاتے ہیں، اس لیے اس کو عاجز ومغلوب کرنے اور اس سے چھٹکارا حاصل کرنے کی کوشش کی جاتی ہے، زندگی کا مقصد صرف عیش ولذت قرار پاتا ہے، اس لیے زیادہ سے زیادہ عیش کا سامان پیدا کیا جاتا ہے، اس کے لئے دولت کی ضرورت ہوتی ہے؛ سو اس کے پیدا کرنے میں سخت مقابلہ ہوتا ہے، اس سے قلبی فساد، بہیمیت، تنافس اور طبقاتی کشمکش پیدا ہوتی ہے، اس کے حاصل کرنے کے بعد اس کو اپنے نفس کی خواہشات میں آنکھ بند کر کے صرف کیا جاتا ہے، جس سے فسق وفجور اور جرائم پیدا ہوتے ہیں اور شہری زندگی میں سخت ابتری پیدا ہوتی ہے۔

خدا شناسی کی جگہ پہلے خود شناسی لیتی ہے؛ لیکن وہ جلد خود فراموشی میں تبدیل ہوجاتی ہے کے خدا فراموشی کا نتیجہ ہمیشہ خود فراموشی ہوتا ہے پھر خود فراموشی رفتہ رفتہ نوعی خودکشی کی شکل اختیار کر لیتی ہے، حیوانی یا انسانی نقطۂ نظر کے بجائے میکانکی نقطۂ نظر قائم ہوجاتا ہے اور زندگی بالکل غیر انسانی بن کر رہ جاتی ہے، حکومت کا مقصد ایک شخص یا ایک خاندان کا اقتدار قائم کرنا ہوتا ہے، اس کی خاطر خونریز جنگیں ہوتی ہیں، بعد میں یہ نظریہ ترقی کر کے قومی اور وطنی اقتدار کی شکل اختیار کر لیتا ہے، پہلے اگر خاندان، خاندانوں سے لڑتے تھے تو اب قومیں قوموں سے اور ملک ملکوں سے برسرپیکار ہوتے ہیں اور زیادہ انسانوں

کا خون بہتا ہے اور دنیا انسانوں کے لیے جہنم بنکر رہ جاتی ہے۔

اس پورے نظام زندگی کی بنیاد ناخدا شناس طریق نظر اور انسان کی آزادی کا غلط تصور ہے، یہ کج خشت اول زندگی کی پوری دیوار کو ثریا تک کج رکھتی ہے، اس کی کجی فلک پیمائیوں اور سائنس کی بلند پروازیوں میں بھی نہیں جاتی۔

اس نظریہ اور اس کے اثر سے خیالات، اخلاق و اعمال، تمدن و سیاست کا جو نظام مرتب ہوتا ہے اس کا نام پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اصطلاح میں "جاہلیت" ہے جو پیغمبروں کی دعوت سے پہلے دنیا میں قائم ہوتا ہے، ان کی دعوت و تحریک کے زمانہ میں دنیا کا نظام زندگی ہوتا ہے، اسی سے ان کو جہاد کرنا پڑتا ہے اور پھر جب ان کے بعد ان کی دعوت و تحریک کمزور پڑ جاتی ہے تو یہ نظام جو فنا نہیں کرتا بلکہ دب جاتا ہے پھر اُبھر آتا ہے، عہد قدیم میں اپنے اپنے زمانہ میں عاد و ثمود، فرعون، ہامان، وقارون، اہل بابل و نینوی مصر کے باشندے اور دوسری قومیں اور اشخاص دنیا میں اس نظام کے نمائندہ تھے، اب عرصہ سے اس کی امامت یورپ کے ہاتھ میں ہے۔